پاکستانی ثقافت کی ترقی میں فلسفے کا کردار

جاوید اقبال ندیم

قومی ترقی کی تشکیل اور نشوونما میں فلسفہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہمیشہ مفکرین ہی قومی تشخص کو بنانے اور قائم رکھنے میں اہم اقدام اٹھاتے ہیں۔ قومیں اور تہذیبیں اپنے دانشوروں، مفکروں اور فلسفیوں کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔ جیسے یونانی، مصری، چینی، ایرانی، ہندی، امریکی، جرمن اور جاپانی تہذیبیں اور قومیں۔ اسی طرح محض مفکرین اور فلسفی اپنی صلاحیت اور کارکردگی سے ایک عام قوم اور تہذیب کو سنوار کر پوری دنیا میں متعارف کرا دیتے ہیں جیسے مسلم فلسفی الکندی، الفارابی، امام الغزالی اور اقبال، وجودی فلسفی کرکیگارڈ اور یاں پال سارتر وغیرہ۔

یہ فلسفہ ہی ہے جو کسی قوم کی اخلاقی، مذہبی، سائنسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی تشکیل اور ترقی میں بنیادی اور اہم حیثیت رکھتا ہے۔ جس شعبہ زندگی میں بھی فلسفہ کا عمل دخل ہوتا ہے وہ یقیناً معیاری اور حقیقی معنوں میں اپنا تشخص قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں قومی تشخص کو اجاگر کرنے کے لئے نصف صدی میں ابھی وہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی جس کی توقع اور ضرورت تھی۔ ہم نے مختلف النوع وجوہات کی بنا پر اپنے آپ کو ماضی کی یادوں میں گم کر رکھا ہے۔ جس وجہ سے قومی سطح پر تشکیل اور ترقی کا عمل رک گیا ہے۔

پاکستانی ثقافت کی ترقی میں فلسفے کے کردار کی اہمیت کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ جس طرح ہم نے تعلیمی، مذہبی اور سائنسی میدان میں سطحی کام کیا ہے۔ اسی طرح ثقافتی خاکوں میں پھیکے رنگ بھر کر اپنے آپ کو دلاسہ دے رہے ہیں۔ ہم تقلید اور نقل کی راہ پر چل نکلے ہیں۔

جس وجہ سے صحیح اور حقیقی معنوں میں ہمیں اپنے ثقافتی پھولوں میں رس اور خوشبو نہیں ملتی۔ ہم نے مثالی ثقافت کی بجائے بنے بنائے بدیسی کلچر کو اپنے یہاں فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔ پاکستانی مثالی ثقافت تو سامنے نہیں آ سکی بلکہ بعض حلقوں نے اسے اسلامی اور مشرقی رنگ دینے کی غیرمناسب، سطحی اور نا مکمل کوشش کی ہے۔ جس سے ثقافت کی شکل بگڑ کر رہ گئی ہے۔ کئی ایک تہذیبوں اور ثقافتوں کا اثر لینے والی اس قوم نے اپنے اصلی روپ کو چھپا لیا ہے۔ بیرونی ذرائع ابلاغ نے اس سلسلے میں موثر کردار ادا کیا ہے۔ اگر ہم نے آزادی کے بعد خود مختار کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو مابعد الطبعیات، عقلیات، تخلیقات اور نفسیات کا سہارا لے کر ثقافت کی اساس، تشکیل اور ترقی کی طرف گامزن ہوتے۔ لیکن ہم نے شجر آزادی کی دیکھ بھال نہ کی بلکہ گھٹن، جبر اور جاگیردارانہ معاشرے کی بنیادوں پر تصنوع اور بناوٹ سے سجی ہوئی عمارت استوار کرتے رہے جس سے انفرادی اور اجتماعی طور پر ہم نے تعمیر کی بجائے تخریب کا سلسلہ جاری رکھا۔

جن رہنماؤں سے قومی ترقی کی توقع تھی وہ خوف وہراس پھیلاتے رہے اور قوم اس خوفزدہ ماحول میں بیگانگی کا شکار ہو گئی۔ ہم اپنی ثقافت کی بنیادیں موہنجودڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا میں دریافت کرتے رہے لیکن اس دوران میں بدیسی ثقافتی یلغار نے ہمارے نوجوانوں کی نئے انداز سے تربیت کر دی جس کا تعلق اس دھرتی سے نہیں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ ثقافتی سرحدیں نہیں ہونی چاہئیں۔ لیکن اگر ثقافت کا مجسمہ اپنی دھرتی کی مٹی سے بنایا جائے تو اس کے خدوخال شناسا نظر آتے ہیں۔ اپنائیت کا احساس اجاگر ہوتا ہے اور یہی حقیقی ثقافت ہوتی ہے۔ جسے اپنا کر ہر فرد خوشی محسوس کرتا ہے۔ ذہنی آسودگی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ تھکا دینے والے مراحل طے کرنے کے بعد ہمیں یقیناً اپنی ثقافتی مصروفیات سے آرام اور سکھ میسر آ سکتا ہے۔

ثقافت کے تاریخی، جغرافیائی اور نظریاتی پہلوؤں کی وضاحت سے قومی تہذیبی روح سامنے آتی ہے۔ اگر پاکستانی ثقافت کے تاریخی پہلو کا جائزہ لیں تو موہنجودڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا کی قدیم تہذیبوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح جغرافیائی پہلو کو دیکھیں تو اقدار، فنون،

زبان اور دیگر اجزاء کو مد نظر رکھا جائے گا۔ لیکن ثقافت کا سب سے اہم نظریاتی پہلو ہے۔ جس کی بنیادیں فکر پر مبنی ہوتی ہیں۔ ہمیں دیکھنا ہو گا کہ عقل، شعور، تصورات اور مقاصد کہاں تک ثقافت کو بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ہم ثقافت کو کس طرح فلسفیانہ افکار پہ استوار کر سکتے ہیں۔ یعنی پاکستانی ثقافت کو بہتر بنانے کے لئے فلسفہ کیا کردار ادا کر سکتا ہے۔ اگر فکری بنیادوں کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ پاکستانی ثقافت ابھی مکمل طور پر نشوونما نہیں پا سکی اور نہ ہی اس میں پختگی آئی ہے۔ جبکہ ہمارے قومی نظریات سے متصادم ہر طرح کی منفی یلغار نے چاروں طرف سے پاکستانی ثقافت کو جکڑ رکھا ہے۔ یکسوئی اور وحدت کی کمی ہے۔ اس کمی کو دور کرنے کا کام صرف فلسفہ ہی سرانجام دے سکتا ہے۔

فلسفے کی مدد سے پاکستانی ثقافت کے تصورات واضح کئے جا سکتے ہیں۔ ہم سائنسی دور میں سے گزر رہے ہیں اس طرح بیرونی صحافتی اور ثقافتی یلغار نے ہماری مثالی ثقافت کی شکل بگاڑ دی ہے۔

مختلف النوع خودساختہ پابندیوں نے پاکستانی ثقافت کے ارتقاء کو روک رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تقلید پسند ہو کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ثقافت کا تعلق رہن سہن، لباس، زبان، صنعت و حرفت، ماحولیات، احساسات اور زندگی کے دکھ سکھ کے ساتھ ہے۔ جس طرح کا ماحول ہو گا اسی طرح کی ثقافتی سرگرمیاں ہوں گی۔ دیہاتی اور شہری علاقوں کے ماحول میں فرق کی وجہ سے ثقافتی مصروفیات بھی مختلف ہوتی ہیں۔ دیہاتوں میں فوک اور شہروں میں تعلیم کی وجہ سے کلاسک انداز فروغ پاتا ہے۔ ثقافتی سرگرمیوں سے مراد وہ انفرادی اور اجتماعی کارکردگی ہے جس کے اظہار سے فرد اور جماعت اپنی صلاحیتوں کو عملی شکل دے سکتا ہے۔ سمال انڈسٹری چھوٹے چھوٹے گھروں میں غیر مرتب اور غیر منظم انداز سے کام کر رہی ہے۔ بچے، خواتین اور مرد اپنے اپنے علاقے اور ذہنی سوچ کے مطابق کچھ نہ کچھ تخلیق کرتے رہتے ہیں۔ ان تخلیق کاروں نے کسی کالج یا یونیورسٹی سے تعلیم بھی حاصل نہیں کی ہوتی۔ انہی کی تخلیقات ثقافتی ورثہ کہلاتی ہے۔ ہڑپہ، ٹیکسلا اور موہنجو دڑو کے کھنڈرات سے نکلنے والے ہتھیار، برتن اور کھلونے ہم نے عجائب گھروں میں اس لئے سجا رکھے ہیں کہ یہ ہماری

ثقافتی وراثت ہے۔

آج بھی ہاتھوں کی بنائی ہوئی اشیا۔ کپڑے، چنگیریں، جوتے، ٹوپیاں اور دیگر اشیا۔ صرف اس لئے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں کہ ان کا تعلق ہماری اپنی دھرتی سے ہے۔ گیت، ڈرامے، لطائف، طنز و مزاح، شاعری غرضیکہ ہر وہ عمل جس کے اظہار میں اپنائیت ہو ثقافت کہلاتی ہے۔ تعمیرات، ڈیزائن، ظروف سازی، شادی بیاہ کے رسم و رواج، گروہ بندی، معاشرتی میل جول، میلے، شام کی بیٹھک، کھیلیں، خصوصاً علاقائی کھیلیں سب ثقافت کا عملی اظہار ہیں۔ ثقافت میں ملاوٹ نہیں ہو سکتی۔ جب بھی کسی نے بدیسی ثقافت کی ملاوٹ کرنے کی کوشش کی، تو وہ ناکام رہا۔

زبان کا استعمال اور تشکیل بھی ثقافت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ الفاظ اور فقرے معنی کے اعتبار سے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ علاقائی اور قومی سطح پر زبان رابطے کا کام کرتی ہے۔ اس لئے پاکستان میں پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی کے علاوہ دیگر ذیلی زبانیں بھی علاقائی ثقافت میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ اردو قومی زبان کی حیثیت سے تمام علاقوں کے آپس میں روابطہ قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس سے قومی سطح پر اجتماعی ثقافت جنم لیتی ہے۔ اجتماعی ثقافت کا ہونا کسی قوم کے زندہ اور پائندہ ہونے کا ثبوت ہے۔ جس قوم کی اجتماعی ثقافت نہ ہو اس کا تشخص قائم نہیں ہو سکتا۔

رسم و رواج اور زندگی گزارنے کے ڈھنگ بھی ثقافت کی عکاسی کرتے ہیں جو کسی قوم کی پہچان ہوتے ہیں۔ اداروں میں تہذیب پنپتی ہے جبکہ اس کا عملی اظہار ثقافت میں کیا جاتا ہے۔ سچ، صحیح اور اصول و ضوابط سے تہذیب بنتی ہے اور کس طرح سچ بولا جائے ثقافت ہوتی ہے۔ کسی معاشرے کے مزاج کی تہذیب سے تشبیہہ دی جاتی ہے جبکہ اس کی تشریح اور وضاحت ہم ثقافتی میدان میں کرتے ہیں۔ قومی دانشور اور مفکرین معاشرتی مزاج کو جس طرز پر ڈھال دیں گے ثقافت میں بھی اسی طرح کی خوشبو رچ بس جائے گی۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ قومی ثقافت میں اس کے تہذیبی مزاج کی جھلک نظر آتی ہے۔ یونانی، مصری، ایرانی، چینی، امریکی، یورپی اور مشرقی تہذیبوں نے اپنی حقیقتوں کی عکاسی ثقافتی اظہار ہی سے کی ہے۔

ہر علاقہ، زمانہ، قوم اور تہذیب و تمدن کو مختلف ثقافتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ کسی ایک قوم کے مختلف جذبات و احساسات کو کئی ایک ثقافتی طریقوں سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ جس میں ہر مرد و زن، جو عمر کے مختلف حصوں کے مطابق اپنے رسم و رواج کے مطابق شامل ہو سکتے ہیں۔ یہی رسم و رواج اس قوم اور زمانے کی اخلاقیات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

اس وقت انتہائی اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے قومی مزاج کو نئے تقاضوں کے مطابق اپنی اصل کی بنیاد پر قائم کریں تاکہ یہ احسن قومی مزاج ثقافت کو بنانے اور بہتر کرنے میں مدد دے سکے۔

کئی ایک وجوہات کی بنا پر پاکستانی ثقافت مختلف ثقافتوں کا ملغوبہ ہے۔ ہمیں حقائق کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسے تلخ حقائق کو جاننے ہی سے ثقافت میں نکھار پیدا ہو سکتا ہے۔ ان واضح نشانات سے آنکھیں چرانے کی بجائے فلسفہ سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیئے۔ ہر شعبہ زندگی میں بھرپور محنت کی جائے۔ معاشرتی اخلاقیات، کاروباری اخلاقیات اور عمومی اخلاقی قوانین کی تشکیل پر خصوصی توجہ دی جائے اور ان پر عمل پیرا بھی ہوا جائے۔ مذہب کی صحیح طور پر فکری انداز میں تعبیر کی جائے۔ ہر میدان میں سطحیت دور کی جائے۔ تعلیمی میدان میں شعوری کوشش کر کے جدید تقاضوں کے مطابق تعلیم دی جائے۔ فنی علوم کا مطالعہ بھی حالات و واقعات پر پورا اترنے کے لئے کیا جائے۔

فنون لطیفہ میں نقل کی بجائے اپنا تشخص قائم کیا جائے۔ جو تخلیقی جوہر ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔ محض تقلید سے فنون لطیفہ میں نکھار پیدا نہیں ہو سکتا۔

تعمیریت میں نئی جہتوں کو متعارف کرایا جائے۔ ایک اور اہم شعبہ زندگی کو بھی ہم نے بھلا رکھا ہے۔ یعنی ہم نے صحافت کے نظریاتی پہلو کو چھوڑ کر اسے انڈسٹری بنانے پر زیادہ زور دیا ہے۔ صرف واقعہ کی اطلاع دینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ رائے عامہ کی مثبت تعمیر و تربیت بھی صحافت کا اہم فریضہ ہے۔ ذرائع ابلاغ کو اس نہج پر ڈھالا جائے کہ وہ ثقافت کو بہتر بنانے میں خصوصی کردار ادا کریں۔ نہ کہ غیر ذمہ دارانہ انداز سے کام کرنا اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا جائے۔ انسان کی حقیقی شخصیت ہی اصل ثقافت ہے۔ باقی سب تصنع اور

بناوٹ ہیں۔ یہ تصنع اور بناوٹ آہستہ آہستہ رکھ رکھاؤ، ریاکاری اور منافقت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ جس سے ہم اپنے اصل سے دور ہٹتے جاتے ہیں۔ اس عمل کو بار بار دہرانے سے اخلاقی بیماریاں اور معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔

اگر مثالی انسان کی حقیقی شخصیت کو اجاگر کرنا ہے تو پھر فلسفیانہ شعور سے مدد حاصل کرنا ہوگی۔ کیونکہ فلسفیانہ فکر کی مدد سے شعور میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور ثقافتی میدان میں خود بخود بہتر تبدیلیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ فلسفیانہ سوچ سے قومی تشخص کی گہرائیوں کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ کسی بھی تخلیق کی بنیاد اگر اس کی اصل پر ہوگی تو اس کے حسن و خوبی میں یقیناً قابل قدر لذت اور افادیت پیدا ہوگی۔ خوشی اور مسرت میں اضافہ ہو گا۔ خوشی اور مسرت حاصل کرنا اور دکھ کا خاتمہ ہی انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ فلسفی ہمیشہ فکری ماحول پیدا کرتا ہے اور حالات و واقعات خود بخود تخلیقی مراحل طے کرتے جاتے ہیں۔

سوچنے کی اہم بات یہ ہے کہ تہذیب و تمدن کے نئے چراغ کس طرح روشن کئے جائیں؟ اور اپنی ثقافتوں کو موجودہ دور کی وحشت سے کس طرح دور رکھا جائے؟ یہ سوالات دانشوروں اور مفکرین کے لئے لمحہ فکریہ ہیں۔

قدیم تہذیبوں کے آثار ماضی میں گم ہو گئے ہیں۔ اب ان کو ماضی سے نکال کر ثقافت کی نئی جہتیں متعارف کرانا ہوں گی۔ تاکہ اس سلسلے میں قومی دھارے کو مثال بنایا جا سکے۔

موجودہ ثقافت کو بہتر بنانے کے لئے شعوری کوششیں ماحول اور حالات کو مثبت سمت میں ڈھالنے سے ہوتی ہیں۔ معاشرتی زندگی میں ہر کردار دانستہ اور غیر دانستہ طور پر اس کام میں شامل ہوتا ہے لیکن تمام تر کوششیں کامیاب نہیں ہوتیں۔ اجتماعی شعور کے نزدیک کی جانے والی محنتیں اور کاوشیں ثقافت کو بہتر بناتی ہیں۔ باقی سب غیر ضروری کوششیں ختم ہو جاتی ہیں۔

زندگی کے کئی ایک شعبہ جات ثقافت کو بناتے ہیں۔ ادیب، شاعر، نقاد، فنکار اور مفکرین کے وجدانی تجربات بھی ثقافت کو جدید انداز میں ڈھالنے کے لئے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کے مشاہدات اور تجربات سے جذبی کیفیات کی بنا پر تخلیقی عمل ہوتا ہے جو حقیقی

انسانی جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ ان شعوری کوششوں کے نتائج سے جذبات اور احساسات کی تسکین بھی ہوتی ہے۔ ثقافتی کوششوں سے انسانی شخصیت میں توازن پیدا ہوتا ہے۔ زندگی کے حسن میں نکھار پیدا ہوتا ہے جبکہ اس کے لئے بنیادی کام فلسفہ ہی مہیا کرتا ہے۔

ہر وہ کام جو شعوری اور فکری انداز میں کیا جائے۔ یقیناً مثبت نتائج مرتب کرتا ہے اور انسان قیاس آرائیوں سے نکل کر ٹھوس حقائق کی طرف جا پہنچتا ہے چونکہ ثقافت کا اظہار انسان کی بے یقینی، بیگانگی اور پریشانی کو ختم کر کے سکون مہیا کرتا ہے۔ اس لئے بامقصد زندگی گزارنے کے لئے بے حد ضروری ہے کہ ثقافتی اظہار کرنے کے لئے حقائق کا مطالعہ کرتے ہوئے گہرائی تک پہنچا جائے۔ تاکہ حقیقت کا شعور حاصل کر کے قطعی اور ٹھوس بنیادیں فراہم کی جائیں۔ منفیت کو فکر و عمل پر اثر انداز ہونے کی بجائے، مابعد الطبعیاتی انداز میں قومی جمالیات کو پیش کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔

کتابیات

1۔ جمیل جالبی — پاکستانی کلچر، ایسٹ پبلشرز لمیٹڈ کراچی 1964۔

2۔ سبط حسن — پاکستانی تہذیب کا ارتقاء مکتبہ دانیال کراچی 1981۔

3۔ عشرت رحمانی — اسلامی تہذیب و تمدن، مقبول اکیڈمی لاہور 1985۔

4۔ عبدالمجید سالک — قدیم تہذیبیں دارالاشاعت پنجاب لاہور 1927۔

5۔ غلام رسول مہر — پاکستانی معاشرہ اور ثقافت گوشہ ادب لاہور 1965۔

6۔ کوثر نیازی — ہمارا کلچر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور 1976۔

7۔ محمد اکرام شیخ — ثقافت پاکستان، ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی 1967۔

8۔ کلیم احمد — پاکستانی تہذیب کی کہانی، جنرل پبلشنگ ہاؤس کراچی 1964۔

9۔ سی اے قادر — معاشریات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور 1974۔